بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

ہجرتِ حبشہ[1]

سید جلال الدین عمری

مکہ میں اسلام کی دعوتِ عام شروع ہوئے ابھی دو ہی سال گزرے تھے کہ فضاؤں میں ارتعاش پیدا ہوگیا، ایک ہلچل سی مچ گئی اور دعوت کو جاری رکھنا دشوار سے دشوار تر ہوتا چلا گیا۔ جو اصحاب اسلام قبول کر رہے تھے ان کے لیے زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہونے لگی۔ ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اہم اور دور رس اقدامات کیے ان میں ایک اہم قدم یہ تھا کہ آپ نے صحابہ کرامؓ کو حبشہ ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا۔ یہ بعثت کے پانچویں سال کا واقعہ ہے[2]۔

ہجرتِ حبشہ اسلام کی دعوت کی راہ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اسے کسی قدر تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے۔

ملکِ حبشہ

حبشہ ایک بڑی سلطنت تھی۔ اس کے حدود دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔

ملکِ حبشہ یمن کے مغربی جانب واقع ہے۔ اس کی مسافت کافی طویل ہے۔ یہ کئی

---

[1] یہ ان مقالات کی ایک کڑی ہے جو سیرت کے مکی دور سے متعلق تحقیقات اسلامی میں مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو جلد ۱۹ کے شمارے ۱، ۲، ۳ جنوری-مارچ، اپریل-جون، جولائی-ستمبر ۲۰۰۰ء

[2] علامہ ابن اثیر کہتے ہیں۔ وکان مسیرھم (ای الی الحبشۃ) فی رجب سنۃ خمس من النبوۃ وھی السنۃ الثانیۃ من إظهار الدعوۃ - الکامل: ۱/۵۹۶

اجناس (قوموں) پر مشتمل ہے۔ سوڈان کے تمام فرقے حبشہ کے بادشاہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں وہاں کے بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ اب اسے حُطی کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حبش بن کوش بن حام کی اولاد ہیں [۱]

ہجرتِ حبشہ کا پس منظر

ہجرتِ حبشہ جن حالات میں ہوئی اس کی تصویر کشی امام زہری نے اس طرح کی ہے:

جب مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی، ایمان کا برملا اظہار ہونے لگا، اس پر بحث وگفتگو کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا تو قریش نے سخت رویہ اختیار کیا۔ قبائلِ قریش میں سے جس قبیلہ کے بھی افراد ایمان لاتے، ان پر (بالعموم) پورا قبیلہ ٹوٹ پڑتا، انھیں شدید اذیتیں پہونچائی جاتیں، قید وبند میں رکھا جاتا اور انھیں اسلام سے پھیرنے کی کوشش کی جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات میں صحابہ کرامؓ سے کہا کہ وہ مکہ سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کہاں جائیں؟ آپ نے حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ ہجرت کے لیے آپ دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں اسے زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اس کے بعد بہت سے مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کی [۲]

مزید تفصیل ابن اسحٰق کے ہاں ملتی ہے۔ کہتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ کے اصحاب سخت مصائب اور مشکلات میں گرفتار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کو جو مرتبہ ومقام حاصل تھا اس کے باعث اور آپ کے چچا ابو طالب کو آپ سے جو قلبی تعلق تھا اور آپ کو جس عزت واحترام سے وہ دیکھ رہے تھے، اس کی وجہ سے آپ ان مشکلات سے (کسی قدر) محفوظ ہیں۔ آپ کے صحابہ جن حالات سے گزر رہے ہیں اور جس طرح کی شدید تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں ان میں آپ ان کی مدد بھی نہیں کر پا رہے ہیں تو آپ نے ان سے کہا کہ وہ حبشہ

---

[۱] ابن حجر: فتح الباری: ۷/ ۵۸۷

[۲] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۲۰۳-۲۰۴۔ السیرۃ الحلبیۃ: ۲/ ۳۶۶

ہجرت کر جائیں، اس لیے کہ وہاں کا بادشاہ عدل پسند ہے، اس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ حبشہ 'ارض صدق' (سچائی کی زمین) ہے۔ وہ وہاں اس وقت تک رہیں جب تک اللہ تعالیٰ کوئی سبیل نہ نکال دے۔ اس کے بعد مسلمان حبشہ ہجرت کرنے لگے۔ یہ ہجرت، دین کی راہ میں فتنہ کے خوف سے تھی، یہ اپنے دین کی خاطر اللہ کی طرف ہجرت تھی۔ یہ اسلام کے لیے سب سے پہلی ہجرت تھی[1]

مہاجرین حبشہ کا پہلا قافلہ

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ حبشہ کے مہاجرین کا پہلا قافلہ دس افراد پر مشتمل تھا۔ ان کے نام بھی اس نے دیئے ہیں۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ یہ کل گیارہ مرد اور چار خواتین تھیں[2]

بیہقی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مبارک سفر پر سب سے پہلے حضرت عثمانؓ اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تو آپ کو تشویش ہوئی۔ پھر قریش کی ایک عورت نے جو اس طرف سے آ رہی تھی آپ سے کہا کہ میں نے آپ کے داماد کو دیکھا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک کمزور سے گدھے پر بٹھا کر خود اسے ہانکتے چلے جا رہے تھے۔ آپ نے دعا کی اللہ ان کے ساتھ ہو۔ فرمایا۔ حضرت لوطؑ کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنھوں نے

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۵۸-۳۵۹

[2] اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ ابن سعد نے جن اصحاب کے اسماء گرامی دیئے ہیں ان میں ابوسبرہ اور ابو حاطب بن عمرو بن عبد شمس بھی ہیں لیکن ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ابوسبرہ اس سفر میں تھے، ان کی جگہ ابو حاطب کا بھی نام لیا گیا ہے۔ ان دونوں کا تعلق بنو عامر سے تھا۔ اس طرح ابن اسحٰق نے دونوں میں سے ایک کو شمار کیا ہے اور ابن سعد نے دونوں کو اس فہرست میں رکھا ہے۔ اسی طرح ابن ہشام نے خواتین کا الگ سے تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ جن مردوں کے ساتھ ان کا سفر ہوا تھا ان کے ذیل میں ان کا ذکر کر دیا ہے۔ ابن سعد نے ان کا الگ سے شمار کیا ہے۔ ابن ہشام، ۱/۳۵۹-۳۶۰، ابن سعد، طبقات: ۱/۲۰۴ نیز ملاحظہ ہو۔ ابن جریر طبری، تاریخ الطبری: ۱/۵۴۶۔

اپنی بیوی کے ساتھ خدا کی راہ میں ہجرت کی ہے[1]

اس سفر پر لوگ خاموشی سے (غالباً یکے بعد دیگرے) نکلے تاکہ کسی کو خبر نہ ہو[2] ان میں سے بعض تنہا تھے، بعض کے ساتھ ان کی بیویاں تھیں۔ زیادہ تر پیدل تھے۔ شُعَیبہ[3] کے پاس پہونچے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس وقت تاجروں کی دو کشتیاں لنگر انداز ہوئیں۔ نصف دینار کرایہ طے کر کے یہ ان میں سوار ہو گئے۔ قریش کو ان کے سفر کی اطلاع ملی تو انھوں نے اپنے آدمیوں کو دوڑایا، لیکن کشتیاں روانہ ہو چکی تھیں[4]

اس کے بعد حضرت جعفرؓ اور دوسرے اصحاب نے ہجرت کی۔ حبشہ ہجرت کرنے والوں کی کل تعداد ابن اسحٰق نے تراسی[83] بتائی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس تعداد میں عمار بن یاسرؓ بھی شامل ہیں لیکن ان کے بارے میں شبہ ہے کہ انھوں نے حبشہ ہجرت کی تھی یا نہیں؟ اس میں کم سن اور گود کے بچوں کا اور ان بچوں کا جو حبشہ میں پیدا ہوئے شمار نہیں کیا گیا ہے[5]

ان کے علاوہ خواتین تھیں جن کی تعداد اٹھارہ بتائی جاتی ہے[6]

---

[1] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۲/۴-۵۔ ذہبی، السیرۃ النبویۃ: ۱/۱۸۳۔ ابن حجر، فتح الباری: ۷/۵۸۴
ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ بعض حضرات کے بقول ابو حاطب سب سے پہلے حبشہ پہونچے تھے۔ اس سلسلے میں بعض اور اقوال بھی ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہو زرقانی علی المواہب: ۱/۵۰۵۔ ہو سکتا ہے حضرت عثمانؓ کو اپنی اہلیہ کے ساتھ سب سے پہلے ہجرت کا شرف حاصل ہوا ہو اور دوسرے اصحاب تنہا رہے ہوں۔ السیرۃ الحلبیہ: ۲/۳-۴۔

[2] یہ ایک عمومی بات ہے ورنہ حضرت عمرؓ کے اسلام کے ذیل میں ذکر آچکا ہے کہ عامر بن ربیعہؓ کی بیوی لیلیٰ نے انھیں بتایا کہ ہم لوگ تم لوگوں کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے مکہ چھوڑ رہے ہیں۔ ان دونوں نے حبشہ ہجرت کی۔ غالباً یہ وہ افراد تھے جن کو اس بات کا خدشہ نہیں تھا کہ وہ سفر سے روک دیے جائیں گے۔ ملاحظہ ہو: تحقیقات اسلامی جنوری۔ مارچ ...۲۰ء ص۱۶-۱۷۔

[3] شعیبہ ایک وادی کا نام ہے۔ یمن کے راستہ میں ساحل پر واقع ہے۔ زرقانی علی المواہب: ۱/۵۰۵

[4] ابن سعد، طبقات: ۱/۲۰۴

[5] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۶۷-۳۶۸

[6] ابن حجر، فتح الباری: ۷/۵۸۵۔ مورخین اور سیرت نگاروں کے درمیان یہ بحث رہی ہے کہ =

مہاجرین کی مکہ واپسی

حبشہ کی ہجرت پر تین ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ یہ بات مشہور ہوگئی کہ قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف ختم ہوگیا ہے۔ وہ سب ایمان لے آئے ہیں۔

یہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، جن کا تعلق یمن سے تھا، مہاجرینِ حبشہ میں ہیں یا نہیں؟ اس کا یہ پہلو اہم ہے کہ مکہ میں ظلم و زیادتی کی چکی چل رہی ہے اور مسلمان پس رہے ہیں اور ایک سعید روح یمن سے آکر اسلام قبول کر رہی ہے۔ ابن ہشام اور ابن سعد وغیرہ نے مہاجرینِ حبشہ کی جو فہرست دی ہے اس میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام بھی ہے۔ ہجرتِ حبشہ کی تفصیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں بھی موجود ہے، یہ روایت مسند احمد کی ہے۔ اس میں بھی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام ہے۔ (مسند احمد: ۲/ ۴۸) علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ روایت باعتبارِ سند بہت عمدہ ہے اور اس کا سیاق بھی اچھا ہے لیکن یہ بات کہ ابو موسیٰ اشعریؓ حبشہ کے مہاجرین میں تھے، صحیح نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کسی راوی نے درمیان میں داخل کر دی ہے۔ (السیرۃ النبویۃ: ۲/ ۱۱) بخاری کی روایت ہے۔ خود حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج (مدینہ پہونچنے) کی اطلاع ملی۔ اس وقت ہم یمن میں تھے۔ چنانچہ ہم (پچاس سے زائد افراد) کشتی کے ذریعہ آپ سے ملاقات کے ارادہ سے روانہ ہوئے لیکن ہماری کشتی نے (بادِ مخالف کی وجہ سے) ہمیں حبشہ پہونچا دیا۔ وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفرؓ سے ہوئی۔ ہم ان کے ساتھ وہیں رہے۔ فتح خیبر کے بعد ہم لوگ مدینہ پہونچے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم لوگوں کے لیے دو ہجرتوں کا ثواب ہے۔ (بخاری، مناقب الانصار، باب ہجرۃ الحبشہ) حافظ ابن حجر نے ان دونوں طرح کی روایات میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم ہوا ہو اور وہ مکہ پہونچ کر اسلام لے آئے ہوں۔ آپ نے انھیں مکہ سے حبشہ چلے جانے کا مشورہ دیا ہو، یمن حبشہ کے سامنے ہی پڑتا ہے اس لیے وہ اپنی قوم کے پاس چلے گئے ہوں۔ پھر جب مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مملکت قایم کر دی تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ (جو پچاس کے قریب تھے) ہجرت کے ارادے سے نکلے ہوں لیکن ناموافق ہواؤں نے ان کی کشتی کو حبشہ پہونچا دیا ہو۔ یہاں ان کی ملاقات حضرت جعفر سے ہوئی ہوگی۔ ان سب کی مدینہ واپسی خیبر کے بعد ہوئی۔ فتح الباری: ۷/ ۵۸۵۔ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بعثت کے ابتدائی دور میں مکہ پہونچے اور اسلام لے آئے، پھر وہ یمن واپس ہو گئے۔

اس کی وجہ بعض روایات میں یہ بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی ایک بڑی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس وقت ایسی وحی نہ نازل ہو جس سے ان کی نفرت اور دوری میں اضافہ ہو۔ اسی اثنا میں سورۂ نجم نازل ہوئی۔ آپ نے اس کی تلاوت فرمائی۔ جب آپ ان آیات پر پہونچے:

أفرأيتم اللات والعزىٰ	اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اِس لات
ومناة الثالثة الاخرىٰ	اور اُس عزیٰ اور تیسری ایک دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا ہے

تو شیطان نے آپ کی زبان پر دو اور جملے جاری کردئے۔

تلك الغرانيق العلىٰ	یہ بہت اونچے سمندری پرندے ہیں
وان شفاعتهن لترتجىٰ	اور ان کی سفارش کے قبول ہونے کی ضرور توقع ہے۔

سورۂ نجم آیتِ سجدہ پر ختم ہوتی ہے۔ اس کی تلاوت کے بعد آپ نے سجدہ کیا تو کفار بھی سجدہ میں گر پڑے۔ حتیٰ کہ ولید بن مغیرہ بھی جو آپ کا شدید مخالف تھا، کبرِسنی کی وجہ سے زمین پر سجدہ نہیں کر پایا تو ہاتھ میں مٹی لی اور اس پر ماتھا ٹیک دیا۔ بعض نے غرورِ نفس کی وجہ سے بھی ہاتھ میں مٹی لی اور اس پر سجدہ کیا۔[۱]

تلاوت ختم ہونے کے بعد کفارِ قریش نے کہا کہ ہم بھی مانتے ہیں کہ اللہ ہی موت وحیات کا مالک ہے۔ وہی خالق ورازق ہے۔ ہمارے یہ معبود تو بس اس کے نزدیک سفارش کرنے والے ہیں۔ جب آپ نے ان کی اس حیثیت کو تسلیم کرلیا تو ہمارا آپ سے اختلاف نہیں ہے۔

ے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد وہ وہاں سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے لیکن ہوا کا رخ مختلف ہونے کی وجہ سے حبشہ پہونچ گئے حضرت جعفرؓ نے انھیں وہیں روک لیا۔ انھوں نے حضرت جعفر ہی کے ساتھ فتحِ خیبر کے بعد مدینہ ہجرت کی۔ دونوں کی کشتیاں ایک ساتھ پہونچیں۔ حضرت ابوموسیٰؓ کے سفر کے لیے ملاحظہ ہو۔ الاستیعاب: ۴/ ۳۲۷۔ اسد الغابۃ: ۳/ ۳۶۴، ۳۶۶ نیز: ۶/ ۲۹۹۔۔۔ ۳۰۰۔ ابن کثیر۔ السیرۃ النبویۃ: ۲/ ۱۴

[۱] تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ السیرۃ الحلبیۃ: ۲/ ۷۔ ابن حجر۔ فتح الباری: ۹/ ۵۹۷۔ ۵۹۸

شام کو حضرت جبرئیل تشریف لائے۔ آپ نے انہیں یہ سورت سنائی تو انھوں نے بتایا کہ یہ جملے وحی کا حصہ نہیں تھے۔ آپ کو بڑا صدمہ ہوا کہ شیطان کے اثر سے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔ اس پر قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ	ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور
مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ	نبی کو بھی بھیجا اس کے ساتھ یہ واقعہ ضرور
اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ	پیش آیا ہے کہ اس نے تمنا کی تو شیطان
فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ	اس کی تمنا میں خلل انداز ہوگیا۔ پھر اللہ
مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ	شیطان کی خلل اندازیوں کو مٹا دیتا
اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ	ہے اور اپنی آیات کو محکم کردیتا ہے۔ اللہ
حَكِيْمٌ ۝ (الحج : ۵۲)	علیم وحکیم ہے۔

اس آیت میں یہ اطمینان دلایا گیا کہ شیطان تو ہمیشہ خلل اندازی کرتا ہی رہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ وحی کو اس سے پاک کردیتا ہے آپ کو بھی اس سے محفوظ رکھے گا اور وحی میں کوئی خارجی آمیزش نہیں ہونے پائے گی۔

اسی اثنا میں حبشہ یہ خبر پہونچ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے درمیان قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اور وہ آپ کے ساتھ سجدہ میں گر پڑے تو انھوں نے سوچا کہ جب قریش اور آپ کے درمیان صلح ہوگئی ہے تو ہمیں مکہ واپس ہوجانا چاہیے تاکہ ہم اپنے وطن میں اپنے اپنے خاندان کے ساتھ رہ سکیں[1]

اس روایت کے سلسلہ میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب سے قطع نظر یہ اس ایمان وعقیدہ اور تاریخی حقیقت کے خلاف ہے کہ قرآن مجید کا لفظ لفظ محفوظ اور ہر طرح کے اختلاط سے محفوظ ہے۔ اس روایت پر سخت تنقید بھی کی گئی

---

[1] اس واقعہ کو ابن جریر طبری نے سورۂ حج کی مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں کئی سندوں سے نقل کیا ہے۔ تفسیر طبری جزء ۱۷ص ۱۳۱ - ۱۳۴۔ طبع قدیم۔ اپنی تاریخ میں بھی ان روایات کا خلاصہ نقل کردیا ہے۔ تاریخ الامم والملوک: ۱/ ۵۵۰ - ۵۵۱۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ابن سعد، طبقات: ۱/ ۲۰۵ - ۲۰۶۔ ذہبی، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۱۸۶ - ۱۸۷

ہے اور اس کی توجیہات بھی کی گئی ہیں[۱]۔ البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ مشرکین کے اسلام لانے کی

[۱] علامہ ابن کثیر کہتے ہیں قد ذکر کثیر من المفسرین ھھنا قصة الغرانیق وما کان من رجوع کثیر من المھاجرة الی ارض الحبشة ظناً منھم أن مشرکی قریش قد أسلموا، ولکن من طرق کلھا مرسلة، ولم ارھا مسندة من وجه صحیح، واللہ اعلم۔ تفسیر القرآن: ۲۲۹/۲ (بہت سے مفسرین نے اس جگہ (سورۂ حج کی آیت کے ذیل میں) قصۂ غرانیق کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ حبشہ ہجرت کرنے والوں میں سے بیشتر نے یہ سوچ کر مکہ واپسی اختیار کی کہ قریش اسلام لے آئے ہیں۔ لیکن یہ ساری روایتیں جن سندوں سے آئی ہیں وہ سب مرسل ہیں۔ میرے علم کی حد تک یہ صحیح سند سے مروی نہیں ہیں) آگے چل کر اس سلسلہ کی بعض اور روایات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کلھا مرسلات ومنقطعات ۲/ ۲۳۰۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر ہی نہیں کیا ہے کیونکہ اس سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ السیرة النبویة: ۵۶/۲

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس سلسلہ کی زیادہ تر روایتیں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہیں۔ ان میں سے اکثر ضعیف یا منقطع ہیں، لیکن ان کے کثرتِ طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ قصہ بے بنیاد نہیں ہے۔ پھر انھوں نے ان لوگوں پر تنقید کی ہے جنھوں نے اس سلسلہ کی تمام روایتوں کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے اس لیے کہ جو روایت کئی سندوں اور مختلف طریقوں سے آئی ہو اس کے بارے میں یہی سمجھا جائے گا کہ اس کی کوئی اصل ہے۔ پھر اس کے بعد اس واقعہ کی جو توجیہات کی گئی ہیں انھیں نقل کیا ہے۔ (فتح الباری: ۹/ ۳۶۸-۳۶۹)۔

اس روایت کی مناسب توجیہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں سورۂ نجم تلاوت فرمائی تو مشرکین میں سے کسی نے درمیان میں دو جملوں کا اضافہ کر دیا اور بہت سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ جملے بھی آپ کی زبان سے ادا ہوئے ہیں۔ یہی توجیہ جصاص وغیرہ نے کی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی علی المواہب ۲/ ۱۵-۳۱۔ اس روایت پر قدیم علماء و محققین نے جو تنقید کی ہے اور اسے ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے، اسے سیرت ابن ہشام: ۱/ ۴۰۲ اور ذہبی کی السیرة النبویة ۱/ ۱۸۶-۱۸۷ کے محشی اور تعلیق نگار حضرات نے بھی جمع کر دیا ہے۔

بخاری وغیرہ کی احادیث سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ نجم کے آخر میں آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ (بخاری، کتاب التفسیر، سورہ والنجم، باب فاسجدوا للہ واعبدوا) اس کی وجہ قرآن شریف کا زورِ بیان، اس کی شوکتِ الفاظ اور اس کی تاثیر بھی ہو سکتی ہے۔ آپ نے اپنے پُرسوز اور پُرزور انداز میں جب اس کی تلاوت فرمائی ہوگی تو کوئی تعجب نہیں کہ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ مشرکین بھی سجدہ میں گر پڑے ہوں۔

خبر حبشہ پہونچی اور ابن اسحق کہتے ہیں کہ یہ لوگ مکے کے قریب پہنچے تو اطلاع ملی کہ خبر غلط تھی۔اب ان میں سے جو بھی مکہ میں داخل ہوا وہ یا تو کسی کی پناہ میں داخل ہوا یا کسی خفیہ طریقہ سے پہنچا۔[۱]

واقدی کا بیان ہے کہ جب حبشہ یہ خبر پہنچی کہ اہلِ مکہ نے سجدہ کیا ہے اور وہ سب اسلام لے آئے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرتے دیکھ کر جب ولید بن مغیرہ اور ابواحیحہ جیسے مخالفین بھی سجدے میں گر پڑے تو مہاجرین نے سوچا کہ اب مکہ میں ان کا مخالف کون رہ گیا ہے؛ چنانچہ یہ مکہ واپس لوٹنے لگے۔ابھی یہ مکہ پہنچنے ہی والے تھے کہ انھیں قبیلۂ کنانہ کے کچھ سوار ملے،انھوں نے ان سے قریش کا حال معلوم کیا تو انھوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قریش کے معبودوں کے حق میں کلمۂ خیر کہا تو سردارانِ قریش نے اُن کا ساتھ دیا پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے (تنقید کرنے) لگے تو وہ بھی دوبارہ اُن کے خلاف ہوگئے اور شرکی روش اختیار کرلی۔ہماری روانگی تک یہی صورتِ حال تھی۔[۲]

یہ غلط فہمی کیسے ہوئی یا یہ افواہ کیسے پھیلی تو مورخین نے لکھا ہے کہ مشرکین نے سجدے کے واقعہ کو جس کسی نے نقل کیا اس نے جب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مشرکین نے سجدہ کیا ہے تو اس نے سمجھا کہ وہ اسلام لے آئے ہیں اور آپ کے ساتھ ان کی صلح ہوگئی ہے اور کوئی نزاع باقی نہیں رہی۔

مہاجرینِ حبشہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انھوں نے اسے صحیح سمجھ لیا،کچھ لوگ مکہ واپس ہوگئے اور کچھ لوگ وہیں رہے۔ابن کثیر کہتے ہیں کہ دونوں گروہ اپنی جگہ صحیح تھے۔[۳]

جو لوگ حبشہ سے مکہ واپس ہوئے ان کی تعداد تینتیس (۳۳) تھی۔ابن ہشام نے فرداً فرداً اُن کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اُن میں سے کس کا کس قبیلہ سے تعلق تھا۔[۴]

---

[۱] ابن ہشام،السیرۃ النبویۃ : ۱/۲۰۲

[۲] ابن سعد،الطبقات الکبریٰ : ۱/۲۰۶ ، حلبی،السیرۃ الحلبیہ : ۲/۲۶

[۳] ابن کثیر،السیرۃ النبویہ : ۲/۵۷،نیز ملاحظہ ہو حلبی،السیرۃ الحلبیہ : ۲/۹

[۴] ابن ہشام،السیرۃ النبویہ : ۱/۴۰۷ یہی بات اور مورخین نے بھی نقل کی ہے۔طبری،تاریخ الامم والملوک : ۱/۵۵۲،ابن کثیر،السیرۃ النبویہ : ۲/۵۸،حلبی۔السیرۃ الحلبیہ ۲/۹

ان حضرات کی حبشہ روانگی بعثت کے پانچویں سال ماہِ شعبان میں ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوتِ قرآن کا واقعہ رمضان میں پیش آیا مہاجرین حبشہ کی واپسی شوال میں ہوئی[۱]

دوبارہ حبشہ کی ہجرت

حبشہ سے جو اصحاب مکہ واپس ہوئے قریش نے ان کے ساتھ پہلے سے زیادہ سختی شروع کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دوبارہ حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی[۲]

جو اصحاب حبشہ سے واپس ہوئے اُن میں سے بیشتر پھر حبشہ روانہ ہو گئے اُن کے ساتھ کچھ نئے اصحاب بھی تھے[۳]

۱؎ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۲۰۶، ابن اثیر، التاریخ الکامل: ۱/۵۹۶، حلبی، السیرۃ الحلبیۃ: ۲/۵

۲؎ سیرت حلبیہ میں ہے کہ حبشہ کی دوبارہ ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شعبِ ابی طالب میں محصور ہونے کے بعد شروع ہوئی (السیرۃ الحلبیہ: ۲/۹) مزید لکھتے ہیں بعثت کے نویں سال محرم میں بنو ہاشم شعبِ ابی طالب میں محصور ہوئے، اس وقت جو مسلمان مکہ میں رہ رہے تھے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا (السیرۃ الحلبیہ: ۲/۲۶) لیکن واقدی کا بیان ہے کہ جو اصحاب حبشہ سے مکہ واپس ہوئے اُن کے قبائل ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو سخت قسم کی اذیتیں دینے لگے، تو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۲۰۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ ہجرت پہلی ہجرت سے واپسی کے فوراً بعد شروع ہو گئی۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ واقدی کے بیان کے مطابق دوبارہ ہجرت بعثت کے پانچویں سال کا واقعہ ہے (السیرۃ النبویہ: ۱/۱۹۱) یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ مکہ کی صورتِ حال دیکھنے کے بعد دوبارہ جلد ہی حبشہ روانگی شروع ہو گئی ہوگی۔

۳؎ واقدی کا بیان ہے کہ اس بار ہجرت کرنے والوں میں مردوں کی کُل تعداد تراسی (۸۳) تھی، عورتوں میں گیارہ قریشی اور سات غیر قریشی تھیں (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۲۰۷) اس طرح حبشہ ہجرت کرنے والے کُل ۱۰۲ افراد تھے۔ (زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ: ۲/۳۱-۳۲) یہی بات حلبی نے بھی کہی ہے (السیرۃ الحلبیہ: ۲/۲۷) ابن ہشام کے حوالے سے یہ بات گذر چکی ہے کہ حبشہ ہجرت کرنے والوں میں مردوں کی کل تعداد=

مہاجرین حبشہ جن حالات سے گزرے اس کی روداد ہمیں حضرت ام سلمہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی روایتوں میں ملتی ہے۔[1]

یہ وہ اصحاب ہیں جن کا براہِ راست اس ہجرت سے تعلق تھا۔ پہلے تین اصحاب مہاجرینِ حبشہ میں سے ہیں اور حضرت عمرو بن العاص مشرکین کی طرف سے سفیر کی حیثیت سے

ے تراسی (۸۳) تھی لیکن ان بیانات سے یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہے کہ پہلی مرتبہ حبشہ کتنے افراد نے ہجرت کی تھی اور دوسری مرتبہ ہجرت کرنے والے کتنے افراد تھے۔ ابن ہشام ہی کے حوالے سے یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ پہلی ہجرت کے بعد مکہ واپس ہونے والوں کی تعداد تینتیس (۳۳) تھی۔ ابن کثیر کے بقول یہ کل نہیں تھے کچھ افراد حبشہ ہی میں مقیم رہے اور کچھ مکہ واپس ہوئے۔

واقدی کا بیان ہے "فلما سمعوا بمهاجرة رسول الله صلى الله عليه وسلم رجع منهم ثلاثة وثلاثون رجلا ومن النساء ثمانی نسوة فمات منهم رجلان بمكة وحبس بمكة سبعة نفر و شهد بدرا منهم اربعة وعشرون رجلاً" (ابن سعد الطبقات الکبری: ۱/۲۰۷، طبری تاریخ الامم: ۱/۵۵۲)

یعنی یہ تینتیس مرد اور آٹھ خواتین ہجرتِ مدینہ کے بعد مکہ واپس آئے۔ ان میں سے دو کا مکہ ہی میں انتقال ہو گیا اور سات کو مکہ والوں نے مدینہ ہجرت کرنے نہیں دیا۔ چوبیس نے مدینہ ہجرت کی اور جنگِ بدر میں شریک ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تعداد کا حبشہ کی پہلی ہجرت کے بعد واپسی سے تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ہجرتِ مدینہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

اس طرح مورخین کے نزدیک حبشہ ہجرت کرنے والوں اور واپس ہونے والوں کی تعداد متعین ہے لیکن کس ترتیب سے یہ واقعہ پیش آیا واضح نہیں ہے۔ تمام تفصیلات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی ہجرتِ حبشہ کے بعد کچھ لوگ مکہ واپس ہوئے۔ مکہ کی صورتِ حال دیکھنے کے بعد ان میں سے بیشتر نے دوبارہ ہجرت کی اور بعض افراد مکہ ہی میں رہ گئے، کچھ نئے افراد بھی دوسری ہجرت میں روانہ ہوئے۔ بنو ہاشم کے شعبِ ابو طالب میں محصور ہونے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد ہجرتِ مدینہ کا واقعہ پیش آیا۔ کچھ لوگ براہِ راست مدینہ منورہ پہنچے اور کچھ نے مکہ کا راستہ اختیار کیا۔ مکہ والوں نے بعض کو مدینہ ہجرت کرنے نہیں دیا۔ زیادہ تر نے مدینہ ہجرت کی اور جنگِ بدر میں شریک ہوئے۔

[1] حضرت ام سلمہؓ کی روایت کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۷۲-۳۷۳، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت مسند احمد: ۲/۴۸۸ میں ہے۔ حضرت جعفرؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی روایات ابن عساکر نے عمدہ سند کے ساتھ نقل کی ہیں۔ ان تمام روایتوں کو ابن کثیر نے جمع کر دیا ہے۔ السیرۃ النبویۃ ۲/۱۴، اور آگے کے صفحات۔

نجاشی کے پاس گئے تھے۔

حبشہ ان مہاجرین کے لیے اچھی پناہ گاہ ثابت ہوا اور وہ وہاں اطمینان اور سکون سے رہنے لگے۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب حبشہ پہنچے تو ہمارے ساتھ نجاشی کا سلوک بہت اچھا رہا، وہ ہمارے لیے بہترین پڑوسی تھے۔ دین کے معاملے میں ہم محفوظ و مامون ہو گئے۔ کوئی ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچاتا تھا اور کوئی ناپسندیدہ بات ہمیں سننی نہیں پڑتی تھی۔

قریش کے علم میں جب یہ بات آئی تو ان کی عصبیتِ جاہلیہ بھڑک اٹھی۔ انھوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ طے پایا کہ نجاشی کے پاس سفیر بھیج کر درخواست کی جائے کہ وہ ان لوگوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کرے اور ہمارے حوالے کر دے۔ سفارت کے لیے دو خوب مضبوط اور توانا افراد کا انتخاب کیا جائے۔ نجاشی کو مکہ کی سب سے قیمتی چیزیں بطور تحفہ بھیجی جائیں۔ اس کے ایک ایک مذہبی رہنما کے لیے بھی تحائف کا انتظام کیا جائے۔ اہلِ حبشہ کو یہاں کے چمڑے بہت پسند تھے۔ عمدہ چمڑے جمع کیے گئے۔ اس کے ساتھ نجاشی کے لیے ایک گھوڑا اور ریشمی عبا (کرتا) بھی تھی۔ حبشہ کے مذہبی رہنماؤں کے لیے بھی تحفوں کا انتظام کیا گیا۔ ان تحائف کے ساتھ عبداللہ بن ابو ربیعہ اور عمرو بن العاص کو سفارتی مہم پر روانہ کیا گیا۔[۱] ان سفراء کو ہدایت کی گئی کہ نجاشی سے بات کرنے سے پہلے ہر مذہبی رہنما کو اس کا تحفہ پہنچا دیں۔ آخر میں نجاشی کی خدمت میں تحفے پیش کیے جائیں اور اس سے بات کی جائے۔ ان سفیروں نے حسبِ فیصلہ عمل کیا، ہر سردار تک اس کا تحفہ پہنچایا اور اس سے کہا کہ ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان بادشاہ کی مملکت میں بھاگ آئے ہیں، اپنا دین چھوڑ دیا ہے، آپ کا دین (عیسائیت) بھی نہیں قبول کیا ہے، بلکہ ایک نیا ہی دین ایجاد کر رکھا ہے جس سے نہ ہم واقف ہیں نہ آپ حضرات۔ ہمارے اشراف

---

[۱] بعض روایات میں عبداللہ بن ربیعہ کی جگہ عمارہ بن ولید کا ذکر ہے اور اس سفر میں دونوں کے کردار سے متعلق بعض تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ قریش نے دو مرتبہ سفارتی کوشش کی تھی۔ پہلے سفر میں عمرو بن العاص کے ساتھ عمارہ بن ولید تھا اور دوسرے میں عمرو بن العاص کے ساتھ عبداللہ بن ابی ربیعہ تھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حلبی۔ السیرۃ الحلبیہ: ۲/۳۲-۳۴

اور سرداروں نے ہمیں بادشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ وہ انہیں واپس کر دیں۔ جب بادشاہ سے ہماری بات ہو تو آپ حضرات بادشاہ کو مشورہ دیں کہ وہ انھیں ہمارے حوالے کر دیں اور اُن سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں، اس لیے کہ اُن کے سردار اور ان کے بزرگ ان کے حالات سے زیادہ باخبر ہیں۔ ان پر دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ حبشہ کے مذہبی سرداروں نے اس سے اتفاق کیا۔

اب دونوں سفیروں نے براہِ راست نجاشی سے ملاقات کی اور تحفے تحائف پیش کیے۔ نجاشی نے تحفے قبول کیے۔ اپنی نشست کے دائیں بائیں دونوں سفیروں کو جگہ دی۔ آمد کا مقصد دریافت کیا۔ انھوں نے وہی باتیں دہرائیں جو کہ پادریوں سے کی تھیں کہ ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان آپ کی مملکت میں بھاگ آئے ہیں، اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا ہے اور آپ کے دین کو بھی قبول نہیں کیا ہے۔ ایک نیا ہی دین اختیار کر رکھا ہے۔ ان کی قوم کے سرداروں نے، اُن کے خاندانوں کے بزرگوں نے، ان کے باپوں اور چچاؤں نے، ان کا جن قبائل سے تعلق ہے، ان کے نمایاں افراد نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ انھیں ان کے وطن لوٹا دیں۔ سفیروں نے نجاشی کو بھی یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اس مسئلہ میں وہ ان مہاجرین سے کوئی بات نہ کرے، اس لیے کہ ان کی قوم ان کے غلط فکر و عمل سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ واقف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں سفیروں کو یہ سخت ناگوار تھا کہ نجاشی سے مہاجرین کی گفتگو ہو۔ انھیں اندیشہ تھا کہ اس سے نجاشی متاثر ہو سکتا ہے۔ مجلس میں جو سردار اور مذہبی رہنما موجود تھے انھوں نے بھی سفیروں کے اس خیال کی تائید کی کہ مہاجرین سے گفتگو کی چنداں حاجت نہیں ہے۔ نجاشی نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور کہا قسم خدا کی میں تحقیقِ حال کے بغیر انھیں اس طرح ان کے حوالے نہیں کروں گا۔ یہ بات سراسر ناانصافی کی ہوگی کہ کچھ لوگوں نے میری ہم سائیگی اختیار کی، میرے ملک میں آئے، دوسروں کے مقابلے مجھے پسند کیا، میں ان سے بات چیت کیے بغیر ہی انھیں نکال باہر کروں۔ میں اُن سے معلومات کروں گا۔ اگر سفیروں کی بات درست نکلے تو انھیں ان کے حوالے کر دوں گا اور انھیں ان کی قوم کے پاس پہنچا دوں گا، لیکن اگر بات دوسری ہو تو میں انھیں ان سفیروں کے حوالے نہیں کروں گا۔ جب تک وہ میرے پاس ہیں ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔

مہاجرین سے گفتگو سے پہلے اُس نے مذہبی رہنماؤں (نصاریٰ کے علماء و پادریوں) کو طلب کیا۔ وہ حاضر ہوئے تو اُن سے کہا کہ وہ اپنے صحیفے کھول لیں (غالباً اس خیال سے کہ دیکھیں ان مہاجرین کی باتوں کی ان صحیفوں سے تصدیق ہوتی ہے یا نہیں؛)

اب اس نے مہاجرین کو طلب کیا۔ قاصد اُن کے پاس پہنچا تو انھوں نے باہم مشورے سے طے کیا کہ بادشاہ کے سامنے وہی بات رکھی جائے جس کی تعلیم ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔ حضرت جعفر نے کہا نجاشی کے سامنے میں تم سب کی نمائندگی کروں گا۔ سب نے اس سے اتفاق کیا۔

مہاجرین روانہ ہوئے۔ دربار میں پہنچنے سے پہلے حضرت جعفر نے باہر سے آواز دی کہ جعفر دروازے پر ہے۔ اس کے ساتھ حزب اللہ ہے، کیا حاضری کی اجازت ہے؟ نجاشی نے کہا ہاں۔ تمہیں اللہ کی امان اور اس کی پناہ حاصل ہے، اندر آسکتے ہو۔ حضرت جعفرؓ داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے ان کے رفقاء تھے، سلام کیا۔ دربار میں جو علماء اور راہب موجود تھے، انھوں نے ان سے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ کرو۔ حضرت جعفر نے انکار کر دیا۔[۱] حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ یہ بڑے متکبر اور نخوت بھرے لوگ ہیں۔ خود کو حزب اللہ کہتے ہیں۔ جس طرح دوسرے لوگ آپ کی تعظیم بجالاتے ہیں اس طرح انھوں نے تعظیم نہیں کی اور سجدۂ تعظیمی نہیں کیا۔ نجاشی نے اُن سے اس کی وجہ دریافت کی تو حضرت جعفرؓ نے کہا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، اس کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ ہمارے پیغمبر نے ہمیں بتایا ہے کہ اہلِ جنت آپس میں سلام کریں گے۔ ہم بھی ایک دوسرے کو سلام ہی کرتے ہیں۔ چونکہ انجیل میں یہ بات موجود ہے، اس لیے نجاشی سمجھ گیا کہ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔[۲]

نجاشی اور حضرت جعفرؓ کے درمیان حسبِ ذیل گفتگو ہوئی۔

نجاشی: تمہارا دین کیا ہے؟ کیا تم نصاریٰ ہو؟

حضرت جعفر: نہیں۔

---

[۱] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱۲/۲

[۲] حلبی، السیرۃ الحلبیۃ: ۲۸/۲

نجاشی: کیا تم یہودی ہو؟
حضرت جعفر: نہیں۔ہم یہود نہیں ہیں۔
نجاشی: کیا تمہارا دین وہی ہے جو تمہاری قوم کا ہے؟
حضرت جعفر: نہیں۔
نجاشی: آخر تمہارا دین کیا ہے اور اس کا لانے والا کون ہے؟
اس پر حضرت جعفرؓ نے ایک طویل تقریر کی۔

اے بادشاہ! ہم ایسے لوگ تھے جو جاہلیت میں گرفتار تھے۔بتوں کی پرستش کرتے تھے، بے حیائی کے کاموں میں ملوّث تھے۔قطع رحم کا ارتکاب کرتے تھے، رشتوں کے حقوق نہیں ادا کرتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے، ہم میں جو قوی تھا وہ کم زور کو کھائے جارہا تھا۔ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔ان کے حسب نسب، صداقت، امانت، عفّت وعصمت سے ہم واقف تھے۔انھوں نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی کہ ہم اسے ایک مانیں، اسی کی عبادت کریں۔ہمارے باپ دادا اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی اور پتھروں کی جو پوجا پرستش کرتے ہیں اسے ترک کردیں۔انھوں نے ہمیں راست گفتاری، امانت کی ادائیگی، صلۂ رحمی اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی۔حرام چیزوں سے رک جانے کا حکم دیا، قتل وخوں ریزی سے، فواحش اور منکرات سے، دروغ گوئی سے، یتیم کا مال کھانے سے اور پاک باز عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا، نماز، زکوٰۃ (صدقہ وخیرات) اور روزے کا حکم دیا۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت جعفرؓ نے اس طرح اسلام کی بہت سی تعلیمات کی وضاحت کی۔اس کے بعد کہا: ہم نے اللہ کے رسول کی ان باتوں کی تصدیق کی، آپؐ پر ایمان لے آئے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ جو تعلیمات لائے ہیں انھیں ہم برحق مانتے ہیں۔اللہِ واحد کی عبادت کرتے ہیں۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔اللہ کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، انھیں حرام اور جن چیزوں کو حلال کہا انھیں حلال سمجھ کر عمل کرتے ہیں۔

اس پر ہماری قوم نے ہمارے ساتھ ظلم وزیادتی کی روش اختیار کر رکھی ہے۔اس

نے ہمیں سخت سزائیں دیں، ہمیں اپنے دین سے پھیرنے کی کوشش کی تاکہ ہمیں اللہ واحد کی عبادت سے پھیر کر بت پرستی کی طرف لے جائیں۔ ہم جن خبیث حرکتوں کا ارتکاب کرتے تھے پھر ان کا ارتکاب کرنے لگیں۔ جب انھوں نے ہم پر قہر و غضب ڈھایا، ظلم کیا، زندگی ہمارے لیے تنگ کر دی، ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہوگئے، تو ہم نے دوسروں کے مقابلہ میں آپ کے ملک کو ترجیح دی، آپ کے جوار میں رہنا پسند کیا، اس توقع پر کہ آپ کے ہاں، اے بادشاہ! ہم پر ظلم نہ ہوگا اور ہم زیادتیوں سے محفوظ رہیں گے۔

یہ بے نظیر اور دل ہلا دینے والی تقریر سننے کے بعد نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے دریافت کیا کہ تمہارے پیغمبر جو کلام خدا کی طرف سے پیش کرتے ہیں کیا اس کا کوئی حصہ تمہارے پاس ہے؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ہاں! نجاشی نے کہا۔ وہ مجھے سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھا۔ نجاشی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ یہاں تک کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی۔ جو علماء دربار میں موجود تھے ان کی آنکھیں بھی اشک بار ہوگئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ نجاشی نے مزید کچھ سنانے کی درخواست کی تو حضرت جعفرؓ نے سورۂ کہف سنائی۔ نجاشی نے کہا۔ یہ کلام اور حضرت عیسیٰؑ جو کلام لائے تھے دونوں ایک ہی چراغ سے نکلے ہیں۔ پھر عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص سے کہا۔ آپ لوگ یہاں سے جائیں۔ میں انہیں تمہارے حوالہ نہیں کروں گا۔[1]

عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ دربار سے باہر نکلے تو عمرو بن عاص نے کہا کہ کل ایک ایسی بات میں بادشاہ سے کہوں گا کہ وہ انھیں جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔ ان دونوں میں عبداللہ بن ربیعہ نسبتاً نرم تھے۔ انھوں نے کہا۔ ایسی کوئی بات نہ کرو۔ یہ لوگ چاہے ہمارے دین کے خلاف ہوں لیکن ان سے ہمارا خونی رشتہ ہے۔ عمرو بن عاص اس کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ چنانچہ وہ دوسرے دن بادشاہ کے پاس پہونچے اور کہا۔ اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں بہت سخت بات کہتے ہیں۔ آپ ان سے

---

[1] حضرت جعفر کی تقریر اور واقعہ کی یہ تفصیل ابن ہشام نے بیان کی ہے۔ ۲۷۳/۱-۲۷۴۔ دیگر مورخین نے اسی سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو، ابن اثیر، الکامل فی التاریخ: ۵۹۹/۱-۶۰۰۔ ذہبی نے تقریباً یہی تفصیل موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے بیان کی ہے السیرۃ النبویۃ: ۱۸۸/۱-۱۸۹

اس سلسلہ میں دریافت کریں۔ دوسرے دن اس نے پھر مہاجرین کو طلب کیا۔ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ یہ ہمارے لیے بڑا نازک معاملہ تھا۔ لوگ جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ ہمیں اس سوال کا کیا جواب دینا چاہیے؟ پھر یہی طے پایا کہ ہم وہی کہیں گے جو اللہ اور اس کے رسول نے کہا ہے، چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔ چنانچہ جب یہ لوگ دربار میں پہونچے تو نجاشی نے سوال کیا کہ تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا۔ ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر نے ہمیں خدا کی طرف سے بتایا ہے۔ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور کلمہ تھے جو مریم عذرا، بتول سے بغیر باپ کے اللہ کے کلمہ سے پیدا ہوئے۔

نجاشی نے حضرت جعفر کے اس بیان کو سننے کے بعد زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا، عیسیٰ بن مریم اس بیان سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہ تھے[1]

بعض روایات میں اس کی کچھ اور تفصیل ملتی ہے۔ حضرت جعفرؓ کی گفتگو کے ختم ہونے پر نجاشی نے دربار میں موجود عالموں اور راہبوں سے دریافت کیا کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس پر تم کیا اضافہ کرنا چاہتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا۔ آپ ہی فرمائیں۔ آپ کا علمی مرتبہ اور مقام ہم سے اونچا ہے[2]

نجاشی نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمدؐ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ نے انجیل میں دی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نجاشی نے علماء اور راہبوں سے کہا کہ خدائے تعالیٰ، جس نے عیسیٰ پر انجیل نازل کی میں اس کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ کے بعد قیامت کے آنے سے پہلے کسی نبی کا ذکر تمہیں انجیل میں ملتا ہے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، ملتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس کی بشارت دی ہے اور کہا ہے کہ جو

---

[1] ابن ہشام! السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۷۰ - ۳۷۵

[2] نجاشی کے بارے میں آتا ہے۔ کان النجاشی اعلم النصاریٰ بما انزل علی عیسیٰ وکان قیصر یرسل الیہ علماء النصاریٰ لتاخذ عنہ حلبی، السیرۃ الحلبیہ: ۲/۲۹ (حضرت عیسیٰ پر جو تعلیمات نازل ہوئیں، نجاشی ان کے سب سے بڑے عالم تھے۔ قیصر روم ان کے پاس علماء نصاریٰ کو بھیجتا تھا تاکہ وہ ان سے علم حاصل کریں)

اس پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر ایمان لاتا ہے اور جو اس کی رسالت کا انکار کرتا ہے وہ میرا انکار کرتا ہے۔ اس پر نجاشی نے کہا اگر سلطنت کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوتی تو میں بذاتِ خود اس کی جوتیاں اٹھاتا اور اس کے ہاتھ پیر دھلاتا[1]

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی سے گفتگو کے دوران میں حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا کہ آپ ان سفیروں سے دریافت فرمائیں کہ ہم غلام ہیں یا آزاد؛ اگر غلام ہیں تو بے شک ہم نے اپنے مالکوں سے فرار کی راہ اختیار کی ہے۔ آپ ہمیں لوٹا دیں۔ عمرو بن عاص نے کہا۔ نہیں! یہ آزاد لوگ ہیں۔ حضرت جعفر نے فرمایا ان سے پوچھیں کہ کیا ہم نے ناحق کسی کا خون بہایا ہے کہ ہم سے قصاص کا مطالبہ کر رہے ہوں؟ کیا ہم نے ناروا کسی کا مال لے رکھا ہے اور اس کا ادا کرنا ہم پر ضروری ہو گیا ہے؟ عمرو بن عاص نے جواب دیا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ نجاشی نے سفیروں سے کہا آپ حضرات واپس جائیں۔ میں کبھی انھیں آپ کے حوالہ نہیں کروں گا[2]

اس طرح نجاشی کو یقین ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعتاً اللہ کے رسول ہیں۔ یہ مہاجرین ان کے اصحاب اور پیروکار ہیں۔ یہ کسی کے زر خرید غلام نہیں ہیں بلکہ آزاد بندے ہیں۔ انھوں نے کسی کا حق نہیں مارا ہے، کسی کا مال نہیں کھایا ہے، بلکہ ان کے ساتھ سراسر زیادتی ہوئی ہے اور وہ یہاں پناہ کے طالب ہیں۔ اس یقین نے اس کے جذبۂ ہمدردی کو بڑھا دیا۔ اس نے مہاجرین سے کہا۔ جاؤ تم لوگ میری سلطنت میں مامون اور محفوظ ہو۔ جو کوئی تمہیں برا بھلا کہے گا اس پر جرمانہ عائد ہوگا۔ تم میں سے کسی کو تکلیف پہونچا کر مجھے سونے کا پہاڑ بھی مل جائے تو میں اسے پسند نہ کروں گا۔ درباریوں سے کہا ان سفیروں کے تحفے واپس کر دیے جائیں۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد مہاجرین حبشہ میں سکون سے رہنے لگے[3]

جرمانہ کے سلسلہ میں یہ تفصیل ملتی ہے کہ نجاشی نے مہاجرین سے پوچھا کہ کیا کوئی

---

[1] حلبی، السیرۃ الحلبیۃ: ۲/۲۹

[2] حلبی، السیرۃ الحلبیۃ: ۲/۳۲۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۲/۱۵

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۷۰

تمہیں تکلیف پہونچاتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہاں! (قریش کے سفیروں کے ورغلانے سے ہوسکتا ہے کچھ لوگوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہو) اس پر نجاشی کے حکم سے منادی نے اعلان کیا کہ جو کوئی انھیں تکلیف پہونچائے گا اس پر چار دینار جرمانہ ہوگا۔ مہاجرین سے دریافت کیا کہ کیا یہ کافی ہے؟ انھوں نے اسے ناکافی بتایا تو نجاشی نے اسے دوگنا کردیا[1]

نجاشی نے بڑے نازک وقت میں مسلمانوں کو پناہ دی تھی۔ انھیں سکون اور اطمینان کے ساتھ دین پر عمل کے مواقع حاصل تھے۔ اس لیے اس کی سلطنت اور اقتدار کا باقی رہنا ان کے لیے فائدہ مند تھا۔ اس کے زوال اور خاتمہ سے انھیں نقصان کا خطرہ تھا۔ چنانچہ اسی ہجرت کے دوران میں نجاشی کا ایک حریف سلطنت اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں کے درمیان جنگ کی نوبت آگئی۔ اس موقع پر مسلمانوں کی فطری خواہش تھی کہ نجاشی اس میں کامیاب ہو اور اس کا اقتدار قائم رہے۔ کوئی ایسا شخص ملک پر قابض نہ ہوجائے جس کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اس کا کیا رویہ ہوگا؟ اس کی تفصیل حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں۔ فرماتی ہیں۔

ہم نجاشی کی سلطنت میں امن وسکون کے ساتھ رہ رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک شخص سلطنت کا دعویدار بن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ قسم خدا کی اس وقت جیسا غم وحزن ہم پر طاری رہا اس طرح کا غم وحزن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ نجاشی ہمارے حقوق پہچان رہا تھا۔ ڈر تھا کہ اس کا حریف غالب آجائے اور وہ جو حقوق ہمیں حاصل ہیں انھیں پامال کردے۔ نجاشی اپنے حریف کے مقابلہ کے لیے نیل کے پار پہونچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے آپس میں کہا کہ ہم میں سے کون شخص ہے جو میدانِ جنگ تک پہونچ کر صورت حال سے ہمیں آگاہ کرے۔ حضرت زبیر بن عوامؓ اس کے لیے تیار ہوگئے۔ وہ سب سے کم سن تھے اس لیے حیرت کا اظہار کیا گیا۔ لیکن بہرحال ان کے لیے تیرنے کا سامان فراہم کیا گیا اور وہ دریائے نیل پار کرکے میدانِ جنگ تک پہونچے۔ ہم لوگ دعا کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ نجاشی کو دشمن پر غلبہ عطا کرے اور ملک پر اس کا اقتدار قائم رہے۔ اب ہم نتیجہ

---

[1] ابن کثیر: السیرۃ النبویۃ: ۱۶/۲۔ حلبی، السیرۃ الحلبیۃ: ۲۹/۲

کا انتظار کرنے لگے کہ حضرت زبیر دوڑتے ہوئے نمودار ہوئے اور دوری سے کپڑا لہرا کر بتایا کہ خوش ہو جاؤ، نجاشی کامیاب ہو گیا ہے اور اللہ نے اس کے دشمن کو ہلاک کر دیا ہے۔ ملک پر اس کا اقتدار مستحکم ہو گیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کبھی ہم اتنے خوش ہوئے ہوں (غالباً مراد ہجرتِ حبشہ کے دوران) جتنے اس وقت خوش ہوئے۔ ہم حبشہ ہی میں رہے یہاں تک کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ واپس پہونچے[1] (پہلی ہجرتِ حبشہ کا ذکر ہے)

جنگِ خیبر ۶ھ کے آخر میں یا بقول ابن اسحاق محرم ۷ھ میں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کو نجاشی کے پاس بھیجا کہ جو اصحاب حبشہ میں رہ گئے ہیں انھیں مدینہ بھیج دے۔ نجاشی نے دو کشتیوں میں انھیں روانہ کیا۔ یہ حضرات فتح خیبر کے دن پہونچے۔ ان میں حضرت جعفرؓ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جھپٹ گئے اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ آج فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کی آمد کی؟ اس قافلہ میں سولہ[۱۶] آدمی تھے۔ بعض کے ساتھ ان کی بیویاں اور چھوٹے بچے بھی تھے۔[2]

ہجرتِ حبشہ کی جو تفصیل اوپر بیان ہوئی ہے اس سے بعض اہم پہلو سامنے آتے ہیں۔

۱۔ حبشہ ہجرت کرنے کی صحابۂ کرام کو اس وقت اجازت دی گئی جب کہ مکہ کی زمین ان کے لیے تنگ ہو گئی، دین پر قائم رہنا دشوار سے دشوار تر ہو گیا اور دعوت کی راہیں مسدود ہو گئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جس ملک میں رہتے ہوں، وہاں دین پر عمل کی اگر آزادی ہے، دعوت کے مواقع حاصل ہیں اور اس کی راہیں کھلی ہیں تو اس ملک کو چھوڑتے یا ان سے ہجرت کا جواز ان کے لیے نہیں ہے۔ ان کی دینی ذمہ داری ہے کہ وہ وہیں قیام کریں اور دین پر عمل کرتے ہوئے اس کی دعوت و تبلیغ اور سربلندی کی جد و جہد جاری رکھیں۔ (تلاشِ معاش یا کسی دنیوی غرض سے کسی ایک ملک سے

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۷۵-۳۷۶۔ ابن اثیر، تاریخ الکامل: ۱/۶۰۰۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۲/۳۳

[2] مہاجرین حبشہ میں سے جو افراد بدر میں شریک نہیں ہو سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مکہ کے زمانہ میں مکہ واپس نہیں آئے اور ہجرتِ مدینہ کے بعد مدینہ پہونچے ان کی تعداد ابن اسحاق نے ان سولہ کے علاوہ چونتیس[۳۴] بتائی ہے۔ خواتین خالص عرب کی ۱۲ اور باہر کی ۵ تھیں۔ پوری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام، ۴/ ۱۵۰۵ ۳۸۴

دوسرے ملک میں منتقل ہونا یا رہائش اختیار کرلینا ہجرت نہیں ہے)

۲۔ ہجرت کرنے والوں نے انتہائی بے بسی اور مجبوری کی حالت میں اپنا وطن چھوڑا، گھر بار چھوڑا اور اپنے خویش و اقارب سے قطع تعلق کیا اور اجنبیت کی زندگی اختیار کی۔ کوئی تن تنہا تھا، کوئی جوان بیوی اور ننھے اور معصوم بچہ کے ساتھ تھا، کسی کے پاس سواری تھی، زیادہ تر پیدل تھے، تن بہ تقدیر ایک نامعلوم مستقبل کی طرف چل پڑے۔ وہ قدم قدم پر اس بات کا ثبوت فراہم کرتے چلے جارہے تھے کہ اللہ کا دین ان کے لیے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ اس کے لیے ہر طرح کی قربانی دے سکتے ہیں۔ اسی جذبہ نے انھیں دنیا اور آخرت کی کامیابی سے ہم کنار کیا۔

۳۔ حبشہ ایک غیر اسلامی اور عیسائی سلطنت تھی لیکن وہاں مسلمانوں کو اسلامی عقیدے پر قائم رہنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی آزادی تھی۔ تبلیغ کے مواقع بھی حاصل تھے۔ اس پہلو سے وہ مہاجرین کے لیے دارالامن بن گیا۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر کسی ملک میں اسلام پر قائم رہنا سخت دشوار ہوجائے اور کوئی دارالاسلام، جہاں مسلمان ہجرت کرسکے، موجود نہ ہو تو وہ کسی غیر اسلامی ملک میں جہاں دین پر عمل اور اس کی دعوت و تبلیغ کی آزادی حاصل ہو، ہجرت کرسکتا ہے۔

۴۔ نجاشی کا ایک حریف، سلطنت کا دعویدار بن کر اس کے خلاف کھڑا ہوا۔ دونوں کے درمیان معرکہ آرائی کی نوبت آگئی، اس میں مسلمانوں کی ہمدردی نجاشی کے ساتھ تھی، اس لیے کہ نجاشی عدل و انصاف کا علمبردار تھا۔ ظلم و زیادتی کو صحیح نہیں سمجھتا تھا۔ اس نے مملکت میں یہ اعلان کر رکھا تھا کہ کسی شخص کو مسلمانوں پر دست درازی کی اجازت نہ ہوگی۔ ورنہ اس پر جرمانہ عائد ہوگا۔ اس طرح نجاشی نے ان کے دین اور ان کی جان، مال اور عزت و آبرو کے لیے تحفظ فراہم کیا تھا۔ اس کے حریف کے بارے میں یہ بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی تھی کہ وہ اسی طرح کا رویہ اختیار کرے گا۔ اس لیے مسلمانوں کی ہمدردی نجاشی کو حاصل تھی اور وہ اس کی کامیابی کے آرزومند تھے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو مسلمان کسی غیر اسلامی سلطنت میں رہتے ہیں انھیں یہ دیکھنا چاہیے کہ کس فرد یا گروہ کا اقتدار اسلام کے لیے اور خود ان کے لیے بہتر اور مفید ثابت ہوگا۔ جو اقتدار بہتر ہو اس کے حق میں

ان کی ہمدردی ہونی چاہیے۔

۵۔ دعوت وتبلیغ کے معاملہ میں ہجرت حبشہ ایک نیا تجربہ تھا۔ مکے میں مشرکین سے سابقہ تھا۔ وہاں شرک کی نامعقولیت واضح کی جارہی تھی اور توحید کے دلائل دیے جارہے تھے۔ حبشہ میں مسلمان ایک نئی صورت حال سے دوچار تھے۔ اس عیسائی مملکت میں چاروں طرف عیسائیت کا چرچا تھا اور مسیحی عقائد زیربحث تھے۔ ہجرت حبشہ سے پہلے مکہ ہی میں سورۂ مریم نازل ہوچکی تھی۔ جس میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی صحیح حیثیت واضح کی جاچکی تھی۔ ان کی تعلیمات بھی تفصیل سے بیان ہوئی تھیں۔ سورۂ کہف میں ابن اللہ کے تصور کی تردید اور عیسائی تاریخ کے بعض واقعات، توحید کی دعوت اور اس پر استقامت کا ذکر تھا۔ اس طرح مہاجرین اس نئی صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے پہلے سے علمی اور فکری طور پر تیار تھے۔ نجاشی کے دربار میں اس سے فائدہ اٹھایا اور اس کے مطالبہ پر قرآن کی تعلیمات قرآن کی تعلیمات قرآن ہی کے الفاظ میں پیش کیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس دور میں اور جس ماحول میں جو علمی وفکری سوالات اُبھریں اسلام کی دعوت کے لیے ان کا جواب فراہم کرنا ضروری ہے، ورنہ اسلام کی حقانیت ثابت نہ کی جاسکے گی اور دعوت کا حق ادا نہ ہوگا۔

۶۔ نجاشی اپنے دربار میں اعیانِ سلطنت اور مذہبی رہنماؤں کے ساتھ موجود تھا وہ سب اسلام سے بے خبر اور عیسائیت کے ماننے والے اور اس کے علم بردار تھے۔ ان کے درمیان حضرت جعفرؓ نے ایمانی جراٗت کا زبردست ثبوت دیا۔ اسلام کے عقائد، توحید، رسالت اور آخرت کے تصور اور اس کے اخلاقیات کی وضاحت کی اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اسلام کے عقیدے کو بے کم وکاست پیش کیا۔ اس طرح یہ ثابت کردیا کہ نازک سے نازک حالات میں بھی دین کی ترجمانی اور اس کی تعبیر وتشریح میں کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے، حالات اور ماحول کے زیرِ اثر اسلام کی ناقص اور نامکمل ترجمانی کی اجازت نہیں ہے۔ ان حضرات کا عزم وحوصلہ اور ایمانی جذبہ قیامت تک داعیانِ دین کے لیے نمونہ ہے۔

۷۔ مکہ میں ایمانیات پر زور تھا۔ توحید، رسالت اور آخرت کی تفصیل تھی۔ ان کے حق میں دلائل تھے۔ ان کے ماننے یا نہ ماننے کے نتائج سے آگاہ کیا جارہا تھا۔

اللہ واحد کی عبادت واطاعت کی ترغیب وتاکید اور اس کی معصیت ونافرمانی پر تہدید تھی۔ احکام میں نماز اور انفاق اور خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر تھا، اعلیٰ اخلاق کی تعلیم تھی، کھانے پینے میں حرام وحلال کے بعض حدود واضح کئے گئے تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد احکامِ شریعت تفصیل سے نازل ہوئے۔ مہاجرینِ حبشہ کے بارے میں تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان میں سے کتنے احکام کا انھیں علم تھا اور کتنے احکام پر وہ عمل کر پا رہے تھے، بہت سے احکام وہ ہیں جن پر عمل ایک با اختیار اور آزاد ماحول ہی میں ہو سکتا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان مہاجرین کو اس طرح کی کتنی آزادی حاصل تھی۔ اس معاملہ میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ آدمی اپنی استطاعت کی حد تک ہی مکلّف ہے۔ جو حکم اس کے دائرہ استطاعت سے باہر ہے اس کا وہ مکلّف نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں اصولی بات یہ بیان ہوئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ (الاعراف: ۴۲)[۱]	جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا ہے اور اچھے کام کیے ہیں۔ ہم ہر ایک کو اس کی استطاعت کے مطابق ہی ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

۸۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی اسلام لے آئے تھے۔ متعدد واقعات سے ان کا اسلام پر ایمان ویقین، اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا ثبوت ملتا ہے۔ انھوں نے حضرت جعفرؓ کی تقریر سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے دربار میں کہا کہ یہی وہ آخری پیغمبر ہیں جن کی بشارت انجیل میں دی گئی ہے اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں آپ کی تعلیمات بالکل صحیح ہیں۔ آپ سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا مجھے موقع ہوتا تو میں آپ کی خدمت میں پہنچتا اور آپ کے پیر دھوتا، لیکن مملکت پر ان کا اتنا مضبوط کنٹرول نہیں تھا کہ وہ کھل کر اسلام کا اظہار کرتے۔ حبشہ کے عوام اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب وہاں کے لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ ان کا عقیدہ بدل گیا ہے تو وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اس صورت حال کے پیش نظر نجاشی نے حضرت جعفرؓ اور اُن کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلایا۔ ان کے لیے کشتیوں کا نظم کیا اور کہا کہ آپ حضرات ان کشتیوں پر سفر کے لیے

---

[۱] اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو۔ امام ابن تیمیہ کی مشہور کتاب منہاج السنۃ النبویۃ: ۵/۱۱۰-۱۱۳

تیار رہیں۔ اگر مجھے شکست ہو جائے تو جہاں چاہیں چلے جائیں لیکن اگر مجھے فتح حاصل ہو تو حسبِ سابق یہیں قیام کریں۔ پھر ایک تحریر لکھی جس میں کلمۂ شہادت "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ" تھا اور یہ بھی تھا کہ نجاشی اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کی روح تھے اور اس کا کلمہ تھے جسے اس نے مریم کے اندر پھونکا تھا۔ اس تحریر کو نجاشی نے اپنی قبا کے نیچے دائیں جانب رکھ چھوڑا۔ اس کے بعد حبشہ کے باغی گروہ کے پاس پہنچا۔ وہ اس کے مقابلہ کے لیے صف باندھے تیار تھے۔ اُن سے کہا۔ لوگو! کیا میں اس ملک پر حکومت کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا ہاں آپ ہی اس کے مستحق ہیں۔ نجاشی نے سوال کیا تم نے میرے اخلاق اور میری سیرت کیسی دیکھی؟ لوگوں نے جواب دیا آپ بہتر سیرت کے مالک ہیں، لیکن آپ نے ہمارا دین ترک کر دیا ہے اور یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے تھے۔ نجاشی نے ان سے سوال کیا کہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم انھیں ابن اللہ سمجھتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے عبا کے اوپر سے سینے پر ہاتھ رکھا اور کہا، عیسیٰ ابن مریم اس سے زیادہ کچھ نہ تھے۔ (نجاشی کی مراد اس تحریر سے تھی جو ان کی قبا کے نیچے تھی لیکن مجمع نے سمجھا کہ وہ ان کے خیال کی تائید کر رہے ہیں) وہ خوش اور مطمئن ہو گئے اور بغاوت ٹل گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی یہ بات پہنچی تھی[1]۔

اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ایک عام آدمی ہی نہیں، صاحبِ حیثیت اور با اقتدار فرد بھی ایسے حالات میں گھر سکتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کا اعلان اور اظہار نہ کر سکے۔ شریعت پر نجاشی کس حد تک عمل کر رہے تھے، اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ شریعت پر کھل کر عمل کرنا شاید اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ اتنی بات طے ہے کہ وہ حج، ہجرت اور جہاد جیسے احکام پر عمل نہیں کر سکے اور اپنی مملکت میں اسلامی احکام بھی نافذ نہ کر سکے، لیکن اس کے باوجود کفر و شرک کے ماحول میں اسلام اور مسلمانوں سے ان کی ہمدردی جاری رہی۔ مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ دی۔ ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا۔ ان کی

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۷۸-۳۷۹۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ۲/۲۸، ۲۹

ہر طرح حفاظت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر حضرت ام حبیبہؓ کا آپ سے نکاح کیا اور بڑے اہتمام سے رخصت کیا۔[۱]

حضرت جعفرؓ کا قافلہ جب روانہ ہونے لگا تو کشتیاں فراہم کیں، سفر کا انتظام کیا اور پورے ساز و سامان کے ساتھ روانہ کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے رویّہ اور سلوک کی اطلاع دیں، یہ میرا ایک ساتھی (عزیز) آپ حضرات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا ہے۔ کلمۂ شہادت پڑھا اور کہا کہ آپ حضرات حضور سے درخواست کریں کہ وہ میری مغفرت کی دعا فرمائیں۔ خیبر پہنچنے پر نجاشی کے روانہ کردہ شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جعفر یہاں موجود ہیں آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ نجاشی کا رویہ ان کے ساتھ کیسا تھا اور ان کا عقیدہ کیا ہے؟ حضرت جعفرؓ نے تفصیل بتائی اور کہا کہ وہ آپ پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ سے دعا کی درخواست کی ہے، آپؐ نے وضو کیا اور تین مرتبہ فرمایا اے اللہ! نجاشی کی مغفرت فرما۔ اس پر مسلمانوں نے آمین کہا۔[۲]

نجاشی کا ۹ھ میں انتقال ہوا۔[۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے مدینہ میں منادی کرائی کہ حبشہ کے ایک صالح بندے کا انتقال ہو گیا ہے، لوگو چلو اس کی نماز جنازہ پڑھو، اس کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: تمہارے بھائی اصحمہ (نجاشی کا نام) کا انتقال ہو گیا ہے، چلو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، چنانچہ آپ لوگوں کو لے کر عیدگاہ تشریف لے گئے اور نماز پڑھی۔[۴]

۱؎ اس کی پوری تفصیل برہان الدین حلبی نے بیان کی ہے۔ السیرۃ الحلبیہ: ۲/ ۷۵۸ - ۷۵۹

۲؎ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ۲/ ۱۶

۳؎ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ سہیلی کے بقول نجاشی کی موت رجب ۹ھ میں ہوئی، لیکن یہ قابلِ غور ہے۔ السیرۃ النبویۃ: ۲/ ۳۰۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اکثر اصحابِ علم کے نزدیک نجاشی کی موت ۹ھ میں ہوئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اُن کا انتقال ۸ھ میں فتح مکہ سے پہلے ہوا تھا۔ فتح الباری: ۷/ ۵۸۸۔

۴؎ بخاری کتاب مناقب الانصار، باب موت النجاشی۔ یہ روایت بخاری کتاب الجنائز کے متعدد ابواب میں آئی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو، مسلم کتاب الجنائز، باب فی التکبیر علی الجنازہ۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ نے نجاشی کی نماز جنازہ اس لیے پڑھی کہ حبشہ میں ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی۔ اُن کے قریب ایسے لوگ نہیں تھے جو اسلام پر ایمان رکھتے اور نماز جنازہ پڑھتے ہوں[1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نجاشی کس طرح کے ماحول میں گھرے ہوئے تھے اس طرح کے حالات اور ماحول میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے انھوں نے جو کچھ کیا شاید اس سے زیادہ وہ نہیں کرسکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجبوریوں اور معذوریوں کے ساتھ ان کے ایمان اور خلوص کی تصدیق فرمائی۔ ان کی نماز جنازہ پڑھی اور مغفرت کی دعا فرمائی۔ ان کی کامیابی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔

---

[1] ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ۳/ ۲۹، ۳۰، غائبانہ نماز جنازہ پر فقہاء کے درمیان اختلاف ہے تفصیل کے لیے دیکھی جائے فتح الباری: ۳/ ۵۴۴ - ۵۴۵

اعتذار

اس شمارہ کے ساتھ مجلہ تحقیقاتِ اسلامی کی انیسویں[19] جلد مکمل ہورہی ہے۔ الحمدللہ اس عرصہ میں یہ پوری پابندی اور تسلسل کے ساتھ وقت پر شائع ہو رہا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مدیر محترم کی مسلسل مصروفیات، علالت اور بعض دیگر وجوہ سے اس شمارے کے منظر عام پر آنے میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ امید ہے قارئین کرام اس کوتاہی سے درگزر فرمائیں گے۔ انشاء اللہ آئندہ مجلہ کو وقت پر شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

(ادارہ)